Rooh-e-Tahqeeq, Vol.03, No.01, Serial No. 07, January-March 2025

اردو افسانہ اور معیشتِ اخلاق

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں دیہی محنت کی بیانیہ تشکیل کا تجزیاتی مطالعہ

Urdu Fiction and the Economy of Morality: An Analytical Study of the Narrative Formation of Rural Labor in the Fiction of Ahmad Nadeem Qasmi

Dr. Asad Mehmood Khan
Associate Professor of Urdu, Minhaj University, Lahore
assadphdir@gmail.com

Abstract:
This research explores the intersection of rural labor and the moral economy in Ahmad Nadeem Qasmi's short stories through the lens of narrative analysis. Qasmi's works, deeply rooted in the socio-economic realities of rural Pakistan, offer rich portrayals of peasant life, class hierarchies, and the ethics of work. The study examines how Qasmi constructs narratives that simultaneously depict the hardships of rural laborers and critique socio-economic systems that perpetuate inequality. By employing the concept of the moral economy, the research investigates the values, norms, and communal ethics embedded within these stories. The narrative analysis focuses on language, symbolism, and character development to reveal the ways in which Qasmi's fiction negotiates the tension between material deprivation and moral resilience. Through a critical engagement with selected short stories, this study highlights Qasmi's contribution to Urdu literature as both a literary artist and a social commentator. It argues that his storytelling not only reflects rural realities but also shapes readers' understanding of economic justice and moral values in a changing society. This work contributes to literary criticism, rural studies, and socio-economic discourse within South Asian literature.
Key Words: Urdu short story; moral economy; rural labour; narratology; Progressive Writers; close reading.

(۱)

اردو افسانہ ایک ایسے عہد میں پروان چڑھا جب برصغیر برطانوی نوآبادیاتی نظام کے زیرِ اثر تھا۔ اس عہد کی سب سے بڑی تبدیلی زرعی معیشت کے ڈھانچے میں آئی، جو پہلے روایتی، برادری پر مبنی اور اخلاقی اصولوں سے جڑی ہوئی تھی۔ برطانوی اقتدار نے زمین داری اور محصولاتی نظام کو اس انداز میں تشکیل دیا کہ جاگیر دار طبقہ مضبوط تر ہو گیا اور محنت کش کسان معاشی اور سماجی طور پر مزید کمزور ہو گئے۔ اس تبدیلی نے دیہی محنت کو محض جسمانی مشقت سے ایک پیچیدہ سماجی تجربے میں بدل دیا، جہاں محنت کش کی حیثیت، عزت، اور بقا براہِ راست اس کے زمین کے مالک یا جاگیر دار کے ساتھ تعلق پر منحصر ہو گئی۔ "معیشتِ اخلاق" کا تصور بنیادی طور پر اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ معاشی لین دین اور محنت کی تقسیم محض مادی اور مالی نوعیت کی نہیں ہوتی، بلکہ ان میں اخلاقی ذمہ داریاں، سماجی اصول، اور برادری کے غیر تحریری ضابطے بھی شامل ہوتے ہیں۔ پروفیسر ظفر حبیب "ادب اور اخلاقی قدریں" میں رقم طراز ہیں:

> "ادب ہندی میں ساہتیہ کہلاتا ہے جس کا مفہوم سب کے بہت کے ساتھ یا سب کے بہت کی بات۔ یا سب سے خیر خواہی ہے۔ اردو میں لفظ ادب عربی سے آیا ہے جس کا مفہوم ہے ہر چیز کی حد کو نگاہ میں رکھنا۔ فقط مراتب

کا لحاظ، تہذیب، شائستگی اور تمیز۔ جب یہ لفظ جمع کی شکل اختیار کرتا ہے تو اس کا مفہوم ہوتا ہے احترام، طریقہ، راستہ، شائستگی۔ جب یہ فاعل ہو جاتا ہے تو ادیب بن جاتا ہے جس کا مفہوم ہے جو صاحب ادب ہو، ادب کی تخلیق کا باعث، ادب پڑھانے والا سکھانے والا۔ ادیب جب جمع بن کر دیا بنتا ہے تو اس کا مفہوم ہوتا ہے وہ لوگ جنہوں نے ادب دیکھا ہو، لکھا ہو یا پڑھا ہو۔ یہ جب محاورہ بنتا ہے تو ادب کرنا ئے معنی، پاس و لحاظ یا ہوتا ہے اور ادب پانا کے معنی عزت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یہ مفاہیم اردو ہیں۔"(۱)

مؤرخ ای۔ پی۔ تھامپسن نے اٹھارہویں صدی کے برطانیہ میں کسانوں کی بغاوتوں کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ نظریہ پیش کیا کہ عوام اس وقت مزاحمت پر آمادہ ہوتے ہیں جب حکمران یا معاشی ایلیٹ طبقہ ان اصولوں کو توڑتا ہے جنھیں وہ معاشرتی انصاف اور برادری کی فلاح کے لیے ناگزیر سمجھتے ہیں۔ تھامپسن لکھتے ہیں:

"عوام کی جدوجہد محض بھوک یا غربت کا ردِ عمل نہیں تھی، بلکہ یہ انصاف، شرافت اور برادری کے اس اصول پر قائم تھی جس میں منڈی کے قوانین کو انسانی اخلاقیات کے تابع سمجھا جاتا تھا۔ منافع کے لالچ میں ضرورت مندوں کا استحصال ایک اجتماعی گناہ تھا، اور اس کے خلاف مزاحمت ایک اخلاقی فریضہ۔"(۲)

یہ اصول اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ محنت کی اجرت، پیداوار کی تقسیم، اور بنیادی ضروریات کی فراہمی میں برابری اور باہمی تعاون کو مدِ نظر رکھا جائے۔ جیمز سی۔ اسکاٹ نے بعد میں اس تصور کو جنوب مشرقی ایشیا کے زرعی معاشروں پر لاگو کرتے ہوئے دکھایا کہ وہاں کی چھوٹی سطح کی معیشتیں اسی وقت تک پائیدار رہتی ہیں جب تک وہ مقامی سماجی اقدار اور اخلاقی معیارات کے ساتھ ہم آہنگ ہوں۔ جب یہ توازن ٹوٹتا ہے تو کسان اور مزدور محض معاشی نقصان محسوس نہیں کرتے بلکہ اس کو ایک اخلاقی ناانصافی سمجھتے ہیں، اور یہی احساس انہیں مزاحمت، احتجاج یا حتیٰ کہ بغاوت پر مجبور کرتا ہے۔ جیمز رقم طراز ہیں:

"دیہی کسان اپنی بقا کو منڈی کی غیر یقینی قوتوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کے لیے سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ کمیونٹی کے ہر فرد کو کم از کم اتنا ضرور ملے کہ وہ زندہ رہ سکے۔ جب اقتدار یا منڈی کے فیصلے اس بقا کو خطرے میں ڈالتے ہیں تو کسان کے لیے بغاوت ایک اخلاقی جواز اختیار کر لیتی ہے۔"(۳)

اس تناظر میں، معاشی فیصلے محض منڈی کی قیمتوں یا ریاستی پالیسیوں پر منحصر نہیں رہتے بلکہ اس بات پر بھی کہ وہ برادری کے اندر قائم انصاف، ہمدردی، اور تعاون کے اصولوں کو کس حد تک برقرار رکھتے ہیں۔ اس طرح "معیشتِ اخلاق" ایک ایسا فریم ورک فراہم کرتی ہے جو معیشت اور معاشرت کو الگ الگ دائرے نہیں سمجھتا بلکہ دونوں کو گہرے طور پر جڑا ہوا تصور کرتا ہے۔ اس نظریے کی بنیاد یہ ہے کہ معیشت میں غیر اخلاقی تبدیلیاں لازمی طور پر سماجی ڈھانچے کو متاثر کرتی ہیں، اور اس کے برعکس، سماجی اقدار میں تبدیلی معیشت کی نوعیت اور ڈائنامکس کو بدل دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظریے کو محض ایک تاریخی یا نظریاتی خیال نہیں سمجھا جاتا بلکہ ایک ایسا تجزیاتی اوزار مانا جاتا ہے جس سے کسی بھی معاشرتی اور ادبی متن کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

اردو افسانے کے تناظر میں "معیشتِ اخلاق" کا اطلاق خاص طور پر معنی خیز ہے کیونکہ برصغیر کے دیہی معاشروں میں معیشت کا ڈھانچہ محض مادی لین دین پر نہیں بلکہ گہرے سماجی اور اخلاقی رشتوں پر قائم ہوتا ہے۔ یہاں ایک کسان یا مزدور کی محنت کی قیمت صرف منڈی کی طلب اور رسد سے طے نہیں ہوتی بلکہ اس کا تعین باہمی تعاون، انسانی ہمدردی، اور

روایتی رواج جیسے عوامل کرتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی کے دیہی کردار، پریم چند کے کسان، یا کرشن چندر کے محنت کش سب اسی اخلاقی معیشت کے اصولوں میں جکڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر، قاسمی کے افسانوں میں محنت ایک اخلاقی فریضہ ہے جو محض روزی کمانے کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک وجودی شناخت اور برادری سے وابستگی کی علامت ہے۔ تاہم، نوآبادیاتی دور میں جب جاگیردارانہ ڈھانچے کو برطانوی ریاستی پالیسیوں نے مزید مضبوط کیا اور سرمایہ دارانہ منڈی کے اصول دیہی علاقوں تک پھیل گئے تو یہ توازن بگڑ گیا۔ اب پیداوار کی تقسیم، اجرت، اور زمین کی ملکیت کا تعین برادری کی باہمی رضامندی سے نہیں بلکہ بیرونی منڈی اور جاگیردار کے مفاد سے ہونے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ محنت کش طبقہ نہ صرف معاشی طور پر کمزور ہوا بلکہ اس کی اخلاقی دنیا بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئی۔ اردو افسانہ نگاروں نے اس زوال کو نہایت باریکی سے محسوس کیا اور اپنی کہانیوں میں پیش کیا۔ کرشن چندر کے ہاں یہ زوال ایک سیاسی اور مزاحمتی رنگ میں آتا ہے، بیدی کے ہاں اس کے ساتھ سماجی اور جنسی استحصال کا پہلو بھی جڑتا ہے، جبکہ قاسمی ایک زیادہ داخلی اور انسانی پہلو سے اس کو بیان کرتے ہیں، جہاں محنت کش اپنی خاموش مزاحمت اور اخلاقی طاقت کے ذریعے اپنی شناخت بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے "معیشتِ اخلاق" کا نظریہ اردو افسانے کو سمجھنے کے لیے ایک زرخیز علمی بنیاد فراہم کرتا ہے کیونکہ یہ محض معاشی حقائق نہیں بلکہ ان کے ساتھ جڑے اخلاقی رشتوں اور سماجی نتائج کو بھی واضح کرتا ہے۔ مجنوں گورکھپوری، "ادب اور زندگی" میں لکھتے ہیں:

> "ادب کسی گوشہ نشین راہب یا تپسیا میں مشغول جوگی کی پیداوار نہیں، بلکہ یہ ایک خاص سماجی ہیئت اور مخصوص نظامِ تمدن کی پرورش یافتہ شے ہے۔ جس طرح معاشرت کا ہر فرد اپنے زمانے کے معاشی اور سماجی حالات سے متاثر ہوتا ہے، اسی طرح ادب بھی براہِ راست انہی حالات کی چھاپ اپنے اندر سمولیتا ہے۔"(۴)

جب ہم اردو افسانے کو معیشتِ اخلاق کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو یہ بات نمایاں ہو جاتی ہے کہ اس صنف کے کئی اہم تخلیق کاروں نے معاشی ناانصافی کو محض ایک مالی یا مادی مسئلے کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ اسے ایک گہرے اخلاقی بحران کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اس نقطۂ نظر کے تحت، غربت اور استحصال کا مطلب صرف وسائل کی کمی نہیں بلکہ وہ اخلاقی توازن بھی ہے جو کسی معاشرے میں باہمی تعاون، انصاف، اور ذمہ داری کے اصولوں پر قائم ہوتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں دیہی محنت کش اکثر اس دوہرے دباؤ کا شکار نظر آتے ہیں۔ ایک طرف انھیں اپنی روزمرہ زندگی کے لیے محنت کر کے روزگار کمانا اور بقا کی جنگ لڑنا پڑتی ہے، اور دوسری طرف انھیں اپنے معاشرتی اور اخلاقی فرائض بھی نبھانے ہوتے ہیں، جیسے بزرگوں کا احترام، برادری کی مدد، وعدوں کی پاسداری، اور مصیبت کے وقت دوسروں کا سہارا بننا۔ اس طرح کے کردار محض اپنی غربت سے نہیں بلکہ اس دباؤ سے بھی نبرد آزما ہوتے ہیں کہ وہ اپنی شناخت اور برادری میں مقام کو برقرار رکھیں۔ قاسمی کے ہاں یہ صورتحال اس لیے منفرد ہے کہ وہ اسے کسی جذباتی یا رومانوی بیانیے میں لپیٹ کر پیش نہیں کرتے، بلکہ ایک حقیقت پسندانہ مگر گہرے انسانی جذبے کے ساتھ دکھاتے ہیں، جہاں کردار نہ ہی مکمل طور پر شکست تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی کسی غیر حقیقی ہیرو ازم کا مظاہرہ کرتے ہیں، بلکہ اپنی اخلاقی دنیا کو بچانے کی جدوجہد جاری رکھتے ہیں۔ اس تناظر میں قاسمی کا بیانیہ اس بات کو اجاگر کرتا ہے کہ معیشت اور اخلاقیات ایک دوسرے سے جُدا نہیں بلکہ ایک دوسرے کے اندر رچے بسے ہیں، اور جب ایک کمزور ہوتا ہے تو دوسرا بھی متاثر ہوتا ہے۔ احمد علی جوہر لکھتے ہیں:

"اردو افسانے میں ہم عصر لکھنے والوں نے بڑھتی آبادی، بے روزگاری، بدعنوانی، لاقانونیت، سرمایہ داری، تعصب، اخلاقی زوال اور تہذیبی تصادم جیسے مسائل کو پیش کر کے عہدِ حاضر کی تلخ اور سفاک حقیقتوں کو نمایاں کیا ہے۔ "(۵)

قاسمی کے بیانیے میں یہ کشمکش نہ تو خالصتاً سیاسی رنگ اختیار کرتی ہے، جیسا کہ کرشن چندر یا بعض ترقی پسند مصنفین کے ہاں دیکھنے کو ملتا ہے، اور نہ ہی یہ صرف ماضی کی یادوں یا دیہی زندگی کی رومانوی تصویروں پر انحصار کرتی ہے۔ اس کے بجائے، یہ ایک گہرا سماجی اور ثقافتی بیانیہ ہے جس میں معیشت اور اخلاقیات کے درمیان جاری مسلسل مکالمہ کہانی کی بنیاد بنتا ہے۔ قاسمی کے کرداروں کے فیصلے اکثر اس توازن کو برقرار رکھنے کی کوشش میں کیے جاتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اگر معاشی مجبوریوں کے تحت اخلاقی اصولوں سے انحراف کیا گیا تو اس کا نقصان محض فرد کو نہیں بلکہ پوری برادری کو ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے محنت کش طبقے کی محض مشکلات کا بیان نہیں بلکہ اس اخلاقی مزاحمت کا بھی عکس ہیں جو انھیں اپنے حالات کے مقابل کھڑا رکھتی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو معیشتِ اخلاق کا تصور اردو افسانے میں محض ایک تجریدی نظریہ نہیں رہتا بلکہ ایک زندہ، محسوس اور تجربہ شدہ حقیقت بن جاتا ہے۔ قاسمی کی کہانیوں میں یہ نظریہ اس طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ معاشی فیصلے اور اخلاقی ذمہ داریاں ایک دوسرے سے الگ نہیں کی جا سکتیں، اور قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ کسی بھی کردار کی کامیابی یا ناکامی صرف اس کے مالی حالات پر نہیں بلکہ اس بات پر بھی منحصر ہے کہ وہ اپنے معاشرتی اور اخلاقی اصولوں کو کس حد تک برقرار رکھ سکا۔ اس لیے، قاسمی کے ہاں معیشتِ اخلاق محض پس منظر نہیں بلکہ کہانی کا بنیادی ڈھانچہ ہے، جو دیہی زندگی کی سچائی اور انسانی وقار کی حفاظت کے بیانیے کو شکل دیتا ہے۔

(۲)

احمد ندیم قاسمی کے افسانے بیسویں صدی کے وسط کے پاکستان کے دیہی معاشرتی ڈھانچے کی نہایت باریک بین، حقیقت پسندانہ اور تہہ دار عکاسی کرتے ہیں۔ قاسمی کے ہاں دیہی زندگی کا منظرنامہ محض زمین، کھیت، بیل اور کسان تک محدود نہیں بلکہ اس میں وہ پوری فکری اور اخلاقی کائنات شامل ہے جو دیہی معاشرت کو اپنی شناخت اور وجود فراہم کرتی ہے۔ وہ اپنے افسانوں میں دکھاتے ہیں کہ کس طرح دیہی محنت صرف جسمانی مشقت نہیں بلکہ ایک ایسا سماجی و اخلاقی فریضہ ہے جو برادری کی بقا اور باہمی رشتوں کی مضبوطی کے لیے ناگزیر ہے۔ کھیتوں میں ہل چلانے والے کسان، دھوپ میں پسینہ بہانے والے مزدور، یا رات گئے تک دستکاری میں مصروف عورتیں، یہ سب کردار اپنی زندگی کو محض معاشی سرگرمیوں کی زنجیر میں قید نہیں دیکھتے، بلکہ اپنی محنت کو ایک ایسی ذمہ داری سمجھتے ہیں جو انھیں نہ صرف اپنے خاندان بلکہ پوری برادری کے ساتھ جوڑتی ہے۔ قاسمی ان کرداروں کو محض پس منظر کے عناصر کے طور پر پیش نہیں کرتے بلکہ انھیں ایک مکمل انسانی وجود کے ساتھ سامنے لاتے ہیں، جس کے جذبات، امیدیں، خوف اور اصول سب قاری کے سامنے عیاں ہوتے ہیں۔ ان کے لیے محنت کا مطلب صرف پیٹ پالنا نہیں بلکہ اپنی عزتِ نفس کا تحفظ، اپنی شناخت کی بقا، اور اس اخلاقی روایت کو قائم رکھنا ہے جو صدیوں سے دیہی زندگی کی بنیاد رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاسمی کے کردار غربت، طبقاتی جبر اور معاشی ناانصافی کے باوجود اپنے اخلاقی اصولوں سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ وہ استحصالی قوتوں کے دباؤ کو برداشت کرتے ہیں، لیکن اپنے اندر کی سچائی اور اصول پسندی کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اس مزاحمتی رویے کو قاسمی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قاری نہ

صرف ان کرداروں کے حالات کو سمجھتا ہے بلکہ ان کے درد، عزم اور قربانی کو محسوس بھی کرتا ہے۔ ان کا فن یہاں صرف قصہ گوئی نہیں بلکہ ایک معاشرتی اور اخلاقی دستاویز کا کردار ادا کرتا ہے، جس میں معیشت اور اخلاقیات کا گہرا رشتہ پوری وضاحت کے ساتھ ابھرتا ہے۔ سید وقار عظیم لکھتے ہیں:

"قدرت نے انہیں دیہات کی زندگی کا حقیقی عکاس اور ترجمان بنایا ہے، اور ان کی اصل ذمہ داری ہے کہ وہ اسی فطری مشن پر قائم رہیں، جہاں ان کا تخیل اور شاعرانہ انداز اپنی کامل زیبائی اور نکھار حاصل کرتا ہے۔"(٦)

قاسمی کے بیانیے میں دیہی محنت کش محض مظلوم اور محکوم نہیں بلکہ ایسی متحرک اور خوددار شخصیات ہیں جو اپنی محنت کے ذریعے ایک خاموش مگر طاقتور مزاحمت کا بیانیہ تشکیل دیتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو سامنے لاتے ہیں کہ دیہی معاشرت میں محنت کی قدر محض منڈی کے اصولوں سے طے نہیں ہوتی بلکہ اس کا تعین برادری کے رواج، روایتی انصاف اور انسانی ہمدردی جیسے عوامل کرتے ہیں۔ قاسمی کی کہانیوں میں اکثر ایسے مواقع آتے ہیں جب کوئی کردار شدید معاشی تنگی میں ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اپنا وعدہ نبھانے، کسی محتاج کی مدد کرنے یا اپنے بزرگوں کا احترام کرنے سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ یہ رویہ "معیشتِ اخلاق" کے اس تصور کو عملی شکل دیتا ہے جس میں مادی منفعت اور اخلاقی ذمہ داری ایک دوسرے سے جُدا نہیں کی جاسکتیں۔ قاسمی کے کردار یہ واضح کرتے ہیں کہ اگر محنت کی قیمت صرف مالی اعتبار سے ماپی جائے تو دیہی معاشرت کا پورا اخلاقی توازن بگڑ جاتا ہے، کیونکہ اس سے اعتماد، یکجہتی اور باہمی تعاون کے وہ رشتے ٹوٹ جاتے ہیں جو صدیوں سے گاؤں کے لوگوں کو ایک ساتھ جوڑے ہوئے ہیں۔ قاسمی کی نثر میں یہ اخلاقی جہت اتنی گہری اور مؤثر ہے کہ قاری محض ایک کہانی نہیں پڑھتا بلکہ ایک پوری تہذیبی فضا میں سانس لیتا ہے، جہاں زمین، محنت اور اخلاقی وقار ایک دوسرے کے ساتھ جُڑے ہوئے ہیں۔ یہی فنی مہارت اور فکری گہرائی قاسمی کو اردو افسانے میں ممتاز مقام دیتی ہے، کیونکہ وہ نہ صرف دیہی زندگی کی تصویر کشی کرتے ہیں بلکہ اس تصویر کے پس پردہ موجود معیشت و اخلاقیات کے پیچیدہ تعلقات کو بھی عیاں کرتے ہیں۔ اُن کے ہاں دیہی محنت کش کی مشقت ایک علامت ہے، ایسی علامت جو مزاحمت، اصول پسندی اور انسانی وقار کی بقا کے لیے برسرِپیکار ہے، اور جو ہمیں یاد دلاتی ہے کہ کسی بھی معاشرتی ڈھانچے میں معیشت کو اخلاقیات سے جدا کر دینا اس کی جڑوں کو کاٹنے کے مترادف ہے۔ ڈاکٹر سہیل احمد رقم طراز ہیں:

" قاسمی صاحب کے یہاں دیہات کا تصور محض رومانی نہیں بلکہ حقیقت کی تلخیوں سے لبریز تھا۔ وہ اس گمان کے فردوس میں جلتے گھر بھی دیکھتے تھے۔ اپنی اثر انگیز واقعیت نگاری اور گہری قوتِ مشاہدہ کے ساتھ انہوں نے پنجاب کے مخصوص علاقائی ماحول کو زبان بخشی اور اس خطے کے کرداروں کو اردو ادب میں ہمیشہ کے لیے جگہ دی۔ "(٧)

قاسمی کی بیانیہ تکنیک میں ایک ایسی سادگی اور فطری بہاؤ پایا جاتا ہے جو محض فن کا کمال نہیں بلکہ ان کی زندگی اور مشاہدے کا حاصل ہے۔ بیانیے میں محنت کو عزت اور وقار کے ساتھ جوڑنا قاسمی کی تحریر کا ایک مرکزی اور نہایت مضبوط پہلو ہے، جو معیشتِ اخلاق کے فکری دائرے میں پوری طرح فٹ بیٹھتا ہے۔ وہ محنت کش کو کبھی محض بے بس، مظلوم یا ترس کے قابل کردار کے طور پر پیش نہیں کرتے بلکہ اسے اپنی بقا کے لیے مسلسل جدوجہد کرنے والا مضبوط اور باعزم انسان دکھاتے ہیں۔ ان کے کردار غربت اور وسائل کی کمی کا شکار ضرور ہوتے ہیں مگر اپنی محنت کی قدر اور عزتِ نفس کو کمزور نہیں ہونے

دیتے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں قاسمی کا بیانیہ عام ترقی پسند افسانہ نگاری سے ایک قدم آگے بڑھ جاتا ہے، کیونکہ وہ صرف معاشی ناانصافی کا نوحہ نہیں پڑھتے بلکہ اس کے ساتھ انسانی حوصلے اور وقار کی تصویر بھی تراشتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں محنت کش کا پسینہ صرف معاشی پیداوار کی علامت نہیں بلکہ ایک اخلاقی سرمایہ بھی ہے، جو برادری کے اندر اعتماد، باہمی تعاون اور ذمہ داری کو مستحکم کرتا ہے۔ قاسمی اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ اگر محنت کی معاشی قدر کو اخلاقی وقار سے جدا کر دیا جائے تو معاشرتی توازن بکھر جاتا ہے اور برادری کے رشتے کمزور پڑ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ محنت کش کو ایک ایسا فعال اور خوددار کردار بنا کر پیش کرتے ہیں جو نہ صرف اپنی زندگی سنوارنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ اپنے آس پاس کے سماجی ڈھانچے میں بھی ایک مثبت اور پائیدار اثر چھوڑتا ہے۔ اس طرح قاسمی کی کہانیاں محنت کی عظمت کو اس کے حقیقی معنوں میں اجاگر کرتی ہیں، اور قاری کو یہ احساس دلاتی ہیں کہ معیشت اور اخلاقیات کا تعلق محض نظریاتی بحث نہیں بلکہ روزمرہ زندگی میں سانس لینے والا ایک جیتا جاگتا اصول ہے۔ ڈاکٹر افشاں ملک لکھتی ہیں:

"احمد ندیم قاسمی نے سماجی خامیوں اور ان کے ذمہ دار کرداروں کو بے نقاب کیا، جہاں غریب طبقے کو لالچ یا فریب دے کر ذاتی مفاد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ "(۸)

قاسمی کے افسانوں میں محنت کش کبھی بے بس، مایوس یا رحم کے قابل مخلوق نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنی بقا کے لیے بھرپور جدوجہد کرنے والے مضبوط اور باوقار کردار کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ یہ کردار جانتے ہیں کہ زندگی کی کشمکش میں ان کے پاس مادی وسائل کم ہیں، مگر ان کی سب سے بڑی دولت ان کی محنت کی سچائی اور اخلاقی وقار ہے۔ قاسمی اس رویے کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ محنت کش کی عظمت کسی رومانوی تاثر کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک حقیقی اور روزمرہ تجربہ بن جاتی ہے۔ وہ دکھاتے ہیں کہ کس طرح دیہی معاشرت میں محنت کی قدر صرف اس لیے نہیں کی جاتی کہ وہ روزی کا ذریعہ ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ وہ برادری کے اعتماد، تعاون اور ذمہ داری کے احساس کو قائم رکھتی ہے۔ جب قاسمی کے کردار کھیتوں میں پسینہ بہاتے ہیں یا جانوروں کی دیکھ بھال میں دن رات لگے رہتے ہیں، تو وہ دراصل ایک سماجی اور اخلاقی توازن کو برقرار رکھ رہے ہوتے ہیں، جو معیشتِ اخلاق کے نظریے کا بنیادی نکتہ ہے۔ افسانہ "کفارہ"(۹)، احمد ندیم قاسمی کی تخلیقی کائنات میں ایک ایسا بیانیہ پیش کرتا ہے جو دیہی معاشرت، محنت کی اخلاقی قدر اور طاقت کے جبر کے باہمی تعلق کو نہایت شدت سے اجاگر کرتا ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار پیرو اپنا آبائی مکان فروخت کرتا ہے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم سے سفید بیلوں کی ایک جوڑی اور ہل خریدتا ہے۔ یہ فیصلہ بظاہر ایک سادہ معاشی لین دین لگتا ہے، لیکن درحقیقت یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا اخلاقی اور وجودی قدم ہے۔ دیہی پس منظر میں زمین سے جڑا رہنا اور اپنی محنت سے اسے بارآور کرنا صرف روزگار کا ذریعہ نہیں بلکہ عزتِ نفس، شناخت اور سماجی وقار کی بنیاد ہوتا ہے۔ پیرو کا ارادہ کہ وہ اپنی بنجر زمین کو زیرِ کاشت لائے، محض ذاتی خوشحالی نہیں بلکہ اس اخلاقی معیشت کا حصہ ہے جس میں زمین اور محنت کے رشتے کو مقدس سمجھا جاتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

"کفن دفن اور جمعرات چالیسویں سے فارغ ہو کر جب اس نت گھروندے کے اثاثے پر نظر ڈالی، تو چند گاگروں، مٹی کے چند پرانے پیالوں اور ایک بھونڈے چولہے کے سوا کچھ نہ پایا۔"(۱۰)

افسانے میں قاسمی نے پیرو کے عمل کو ایک خاموش مگر پُر اثر مزاحمت کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ جاگیر دارانہ اور استحصالی نظام کے اندر رہتے ہوئے بھی اپنی زمین پر خود ہل چلانے کا فیصلہ کرتا ہے، جو کہ اس پورے طاقت کے ڈھانچے کے خلاف ایک علامتی اعلان ہے۔ معیشتِ اخلاق کے نظریے کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ قدم اس اصول پر مبنی ہے کہ پیداوار اور محنت کے ثمرات براہِ راست محنت کرنے والے کو ملنے چاہئیں، اور معاشی سرگرمیوں میں باہمی تعاون، انصاف اور انسانی وقار کو مقدم رکھنا چاہیے۔ پیرو کا یہ فیصلہ اس بات کا اظہار ہے کہ وہ اپنے حالات کے باوجود خود انحصاری اور دیانت دار محنت کو ترجیح دیتا ہے، حتیٰ کہ اس کے لیے اسے اپنی سب سے قیمتی جائیداد، آبائی مکان، قربان کرنا پڑے۔ لیکن افسانے میں جیسے ہی پیرو اپنی زمین پر ہل چلاتا ہے، ریاستی جبر کی صورت میں پولیس کی مداخلت اس کی تمام محنت اور عزائم کو روند دیتی ہے۔ پولیس کا اس پر تشدد اور بیل ضبط کر لینا صرف ایک فرد پر طاقت کا استعمال نہیں بلکہ اس اخلاقی معیشت پر حملہ ہے جو دیہی برادری کی بنیاد ہے۔ یہ اقدام اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ نو آبادیاتی ذہنیت سے متاثر طاقت کا ڈھانچہ محنت کش کی خود مختاری کو برداشت نہیں کرتا، کیونکہ یہ خود مختاری استحصالی نظام کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔ یہاں پر قاسمی ایک ایسے معاشی اور سماجی بحران کو نمایاں کرتے ہیں جہاں محنت کی قدر کا تعین منڈی یا طاقت کے اصول کرتے ہیں، نہ کہ کمیونٹی کی اخلاقی روایات۔

افسانہ "اصول کی بات "(۱۱)، احمد ندیم قاسمی کے اس بیانیہ جہان کا ایک گہرا اور چونکا دینے والا باب ہے جہاں معیشتِ اخلاق کا تصادم طاقت اور مفاد کی سفاک حقیقتوں سے ہوتا ہے۔ اس کہانی میں عبد اللہ ایک ایسا کردار ہے جو کسی جرم کے الزام میں نہ صرف اپنے گھر بلکہ اپنی زمین اور کھیت سے بھی بے دخل کر دیا جاتا ہے۔ جاگیر دارانہ نظام کی اس بے رحمانہ کارروائی کے بعد وہ اپنی بیوی اور جوان بیٹی ماکھاں کے ساتھ دوبارہ جاگیر دار کے دربار میں اس امید سے حاضر ہوتا ہے کہ شاید بطور مزارع دوبارہ زمین مل جائے اور وہ کھیتوں میں محنت کر کے اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ پال سکے۔ دیہی معیشت میں یہ محض روزگار کا مسئلہ نہیں بلکہ وقار، شناخت اور کمیونٹی میں اپنی جگہ کا سوال ہوتا ہے، اور یہی وہ نکتہ ہے جہاں معیشتِ اخلاق کا بنیادی اصول نمایاں ہوتا ہے۔ تاہم، قاسمی اس حقیقت کو کھولتے ہیں کہ جاگیر دارانہ ڈھانچے میں معاشی تعلقات کبھی بھی محض محنت اور پیداوار کی بنیاد پر طے نہیں پاتے بلکہ ان میں طاقت، جنسی استحصال اور ذاتی مفاد کے عوامل گہرائی سے جُڑے ہوتے ہیں۔ دلال کا عبد اللہ کو یہ کہنا کہ "تمھاری بیٹی کو سمجھادو" نہ صرف ایک غریب مزارع کی عزتِ نفس کو کچلنے کی کوشش ہے بلکہ یہ معیشتِ اخلاق کی مکمل پامالی ہے، جہاں محنت اور زمین کے رشتے کو اخلاقی اصولوں سے کاٹ کر محض جاگیر دار کی ذاتی ہوس کے تابع کر دیا جاتا ہے۔ اس جملے میں "اصول کی بات" کہنا ایک بھیانک طنز ہے، کیونکہ یہاں اصول کا مطلب انصاف یا برابری نہیں بلکہ طاقتور کے بنائے ہوئے غیر اخلاقی قواعد ہیں جو کمزور کو ہر حال میں مجبور اور بے بس رکھنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ اس کہانی کا اصل المیہ یہ ہے کہ عبد اللہ اپنی بیٹی اور بیوی کی عزت بچانے میں تو کامیاب ہوتا ہے، لیکن اس کی قیمت اسے کھیت کھلیان کی تباہی یا علاقے سے دوبارہ بے دخلی کی صورت میں چکانی پڑتی ہے۔ اس انجام میں معیشتِ اخلاق کا وہ بنیادی پہلو کھل کر سامنے آتا ہے جس کے تحت دیہی زندگی میں محنت، زمین، اور معاشرتی روابط محض مادی وسائل نہیں بلکہ اخلاقی اقدار اور انسانی وقار سے جڑے ہوتے ہیں۔

افسانہ "بے گناہ"(۱۲)، احمد ندیم قاسمی کے اس تخلیقی سرمایہ کا حصہ ہے جو دیہی معاشرت میں طاقت، معاشی ناہمواری اور اخلاقی زوال کے گہرے باہمی تعلق کو سامنے لاتا ہے۔ اس کہانی کا مرکزی کردار رحمان (رحمو) ایک یتیم، مسکین اور بے روزگار نوجوان ہے، جس کی زندگی باپ کے سائے سے محروم ہونے کے بعد ذیل دار کے مسلسل ظلم و ستم کے شکنجے میں آجاتی ہے۔ معیشتِ اخلاق کے تناظر میں دیکھا جائے تو رحمو کی کہانی اس بنیادی نکتے کو واضح کرتی ہے کہ دیہی معیشت محض محنت اور زمین کی پیداوار پر نہیں چلتی بلکہ اس میں اخلاقی ذمہ داریاں، باہمی تعاون اور انسانی ہمدردی جیسے عناصر مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاہم، جب یہ اخلاقی ڈھانچہ ٹوٹ جاتا ہے اور طاقتور طبقہ اپنے ذاتی مفاد اور جبر کو ہی اصول بنا لیتا ہے، تو محنت کش کی زندگی ذلت، محرومی اور خوف میں ڈوب جاتی ہے۔ ذیل دار کا رحمو سے یہ کہنا، "میں تم جیسے بھکاریوں کے کان کھینچ لیا کرتا ہوں"(۱۳) ، اس نظام کا نچوڑ ہے، جہاں محنت کش کو ایک باوقار انسان کے بجائے ایک حقیر اور قابو پانے کے قابل مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ لگان کی عدم ادائی، جو کہ رحمو کی غربت کا فطری نتیجہ ہے، کو ذیل دار طاقت کے کھیل میں ذاتی انتقام اور رسوائی کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔ قاسمی اس کہانی میں یہ دکھاتے ہیں کہ جب معیشتِ اخلاق کا توازن ٹوٹتا ہے تو ظلم صرف معاشی نہیں رہتا بلکہ سماجی اور اخلاقی سطح پر بھی محنت کش کو کچل دیتا ہے۔ رحمو کو لگان کی ادائی میں مہلت مانگنے کی سزا جیل، اس کے کھلیان کی بربادی، گھر کو آگ لگانے اور بالآخر موت کی صورت میں ملتی ہے۔

افسانہ "طلائی مہر "(۱۴)، احمد ندیم قاسمی کے دیہی بیانیے میں ایک نہایت دل گداز اور کربناک مثال ہے، جو معیشتِ اخلاق کے تصور کو انتہائی شدت کے ساتھ سامنے لاتی ہے۔ اس کہانی کی بوڑھی بیوہ ایک محنت کش عورت ہے جو دوسروں کا اناج پیس کر روزی کماتی ہے، مگر اس کی محنت اتنی بے مایہ ٹھہرتی ہے کہ وہ اپنا پیٹ تک بھرنے سے قاصر رہتی ہے۔ معیشتِ اخلاق کے تناظر میں یہ کردار محنت اور بقا کے اس کربناک رشتے کو ظاہر کرتا ہے، جہاں محنت کش کی مزدوری اس کی بنیادی ضروریات تک پوری نہیں کر پاتی، اور سماجی انصاف کا توازن مکمل طور پر بگڑ چکا ہوتا ہے۔ یہ بیوہ اپنی جسمانی توانائی اور وقت دوسروں کی خدمت میں صرف کرتی ہے، مگر بدلے میں اسے اتنا بھی نہیں ملتا کہ وہ بھوک اور محرومی سے نکل سکے۔ اس کی زندگی ایک ایسی اخلاقی معیشت کی شکست کی علامت ہے، جہاں برادری، باہمی تعاون اور انسانی ہمدردی جیسے اصول محض کھوکھلے دعوے بن چکے ہیں۔ قاسمی نے بیوہ کی موت، جو وہ اناج پیستے پیستے چکی کے پاٹوں میں سر رکھ کر خود کو فنا کر دیتی ہے، کو نہ صرف غربت کے انجام بلکہ سماجی بے حسی کی انتہا کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہ منظر محض ایک فرد کی خودکشی نہیں بلکہ اس پورے دیہی معاشرتی ڈھانچے کی موت کی علامت ہے، جس میں محنت کی قدر، انسانی وقار اور باہمی تعاون کے اخلاقی اصول دم توڑ چکے ہیں۔ قاسمی کا بیانیہ قاری کو محض ہمدردی پر نہیں چھوڑتا، بلکہ اسے جھنجھوڑ کر یہ سوال اٹھاتا ہے کہ ایسا نظام کیوں قائم ہے جہاں محنت کش اپنی زندگی کی بنیادی ضرورت تک پوری نہ کر سکے اور بالآخر جسمانی و روحانی تھکن اسے موت کی پناہ لینے پر مجبور کر دے۔ "طلائی مہر" اس بات کی ناقابلِ تردید گواہی ہے کہ جب معیشت سے اخلاقیات جدا ہو جائیں تو انسانی زندگی کی قیمت چند دانوں سے بھی کم ہو جاتی ہے۔

افسانہ "جلسہ "(۱۵)، معیشتِ اخلاق کے تصور کی نہایت تلخ اور سفاک مثال ہے، جس میں غربت، طاقت کے ناجائز استعمال، اور مذہبی لبادے میں چھپے استحصال کو یکجا دکھایا گیا ہے۔ بوڑھا مزارع، جو پہلے ہی معاشی تنگی اور جاگیردارانہ جبر کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے، چندہ نہ دینے کی پاداش میں اپنی سب سے قیمتی چیز، اپنی اکلوتی بیٹی کی عزت، گنوا بیٹھتا ہے۔ ذیل

دار کا مولوی صاحب کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کا بہانہ دراصل اس دیہی نظام کا آئینہ ہے جہاں مذہب کو بھی طاقتور طبقہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ معیشتِ اخلاق کے تناظر میں یہ واقعہ اس بنیادی اصول کی پامالی ہے کہ برادری میں لین دین صرف مادی اشیا کا نہیں، بلکہ عزت، بھروسے اور انسانی وقار کا بھی تحفظ کرتا ہے۔ یہاں نہ صرف معاشی انصاف غائب ہے بلکہ اخلاقی اقدار کی جڑیں بھی کاٹ دی گئی ہیں۔ قاسمی نے اس کہانی کے انجام کو اس قدر شدید اور دل دہلا دینے والے انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری سماجی ڈھانچے کے اخلاقی انہدام کو براہِ راست محسوس کرتا ہے۔ بوڑھے کا یہ جملہ، کہ بیٹی کا رات بھر غائب رہنا اس لیے برداشت کیا کہ صبح ہتھیلی پر چونی یا اٹھنی رکھ دے، اس اخلاقی زوال کی انتہا ہے، جہاں مفلسی انسان کو اس مقام تک لے آتی ہے کہ وہ اپنی عزت کی قربانی کو بھی روزگار کے ایک حقیر سے عوض میں برداشت کر لیتا ہے۔ معیشتِ اخلاق کے اعتبار سے یہ وہ لمحہ ہے جب سماج اپنے سب سے بنیادی انسانی معاہدے کو توڑ دیتا ہے۔ "جلسہ" صرف ایک فرد یا خاندان کا المیہ نہیں، بلکہ اس پورے جاگیردارانہ اور مذہبی استحصالی نظام کا پردہ چاک کرتا ہے، جہاں دولت اور طاقت کے بل پر نہ صرف محنت کش کی زمین اور محنت ہتھیائی جاتی ہے بلکہ اس کی عزت و حرمت بھی بیچ بازار نیلام کر دی جاتی ہے۔

افسانہ "سونے کا ہار" (١٦)، معیشتِ اخلاق کے زاویے سے جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کی اس مکروہ صورت کو بے نقاب کرتا ہے، جہاں غریب کسان کی عزتِ نفس اور برادری میں ساکھ کو اس کی سب سے کمزور معاشی حالت سے باندھ کر برباد کیا جاتا ہے۔ احمد علی اپنی بیٹی کے بیاہ پر سونے کا ہار دینے کی خواہش اس لیے رکھتا ہے کہ برادری میں اس کی عزت قائم رہے۔ یہ خواہش بذاتِ خود اس معیشتِ اخلاق کی عکاسی کرتی ہے جس میں مالی وسائل اور سماجی وقار ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں۔ لیکن جاگیردار اور چودھری جیسے کردار اس خواہش کو اپنی چالاکی اور مفاد پرستی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ چودھری کا آدھی قیمت لگانا، احمد علی کو مجبور کرنا کہ یا تو اس قیمت پر بیچ دے یا پھر ذیلدار کے پاس جائے، اور سنار کا ذیلدار سے ملی بھگت کر کے نقلی ہار دینا، یہ سب اس نظام کی نشاندہی کرتا ہے جس میں طاقتور طبقہ محنت کش کی ضروریات اور جذبات دونوں کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ ہار کی نقلی حیثیت کو بھرے مجمع میں ظاہر کرنا صرف معاشی استحصال نہیں بلکہ عزتِ نفس کو کچلنے کا شعوری عمل ہے۔ اس طرح قاسمی نہ صرف طبقاتی جبر کو نمایاں کرتے ہیں بلکہ یہ بھی دکھاتے ہیں کہ جب اخلاقی اقدار کو منڈی کے اصولوں کے تابع کر دیا جائے تو معیشتِ اخلاق کا ڈھانچہ ٹوٹ جاتا ہے، اور محنت کش اپنی بقا کے ساتھ ساتھ اپنی سماجی شناخت بھی کھو بیٹھتا ہے۔

افسانہ "الحمدللہ" (١٧)، قاسمی کی اس فنی بصیرت کو اجاگر کرتا ہے جس کے ذریعے وہ معاشرتی زوال اور معیشتِ اخلاق کے بگاڑ کو طنز اور حقیقت نگاری کے امتزاج سے بیان کرتے ہیں۔ مولوی ابل کی زندگی شادی سے پہلے خوشحالی اور طمطراق کی عکاس تھی، لیکن شادی کے بعد معاشی دباؤ، کثرتِ اولاد اور معاشرتی بے حسی نے اسے نہ صرف تنگ دستی میں مبتلا کیا بلکہ جسمانی اور ذہنی طور پر بھی مضمحل کر دیا۔ مسجد میں نمازیوں کی تعداد کم ہونا اور ضروریاتِ زندگی کی قیمتوں میں اضافہ اس بات کی علامت ہے کہ مذہبی و سماجی ادارے بھی معاشی نظام کے اثر سے محفوظ نہیں رہتے۔ یہاں عبادت گاہ کی رونق میں کمی گویا دیہی معاشرت میں یکجہتی اور باہمی تعاون کے فقدان کی علامت بن جاتی ہے۔

افسانہ "فیشن "(۱۸)، احمد ندیم قاسمی کے اس تخلیقی وژن کو واضح کرتا ہے جس میں وہ جاگیردارانہ ذہنیت، طبقاتی تضاد اور کمزور طبقات کی عزتِ نفس کو روندنے والے سماجی رویوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔ اس کہانی میں نجمہ، جو ایک امیر باپ کی بیٹی ہے، اپنی مراعات یافتہ حیثیت اور طبقاتی برتری کے زعم میں اپنی نوکرانی حلیمہ کو محض ایک آلہ کار کے طور پر استعمال کرتی ہے۔ نجمہ کے لیے حلیمہ ایک انسان نہیں بلکہ اس کے عشق کو پروان چڑھانے کا ذریعہ ہے، اور اس خود غرضی میں وہ یہ بھول جاتی ہے کہ حلیمہ بھی ایک جیتی جاگتی، جذبات رکھنے والی اور عزت و وقار کی حق دار لڑکی ہے۔ نجمہ کا حلیمہ کو اپنے مفاد کی خاطر شیخ منصور احمد سے رابطے کے لیے استعمال کرنا اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ امیر طبقہ اکثر غریبوں کو اپنی خواہشات کے لیے استعمال کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا۔ یہ افسانہ ان کی مجموعی تخلیقی فکر کے اس پہلو کو تقویت دیتا ہے جس میں سماجی حقیقت نگاری، طبقاتی جبر، عزت و وقار کی پامالی اور طاقت کے بے جا استعمال کے خلاف احتجاج نمایاں ہے۔ یہاں قاسمی مظلوم کی خاموشی کو بھی ایک چیخ میں بدل دیتے ہیں، جو قاری کو جھنجھوڑ کر طبقاتی ناانصافی کے خلاف سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔

مجموعی طور پر احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں معیشتِ اخلاق کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ محنت کش اور معاشرے کے دیگر طبقات کے درمیان تعلق محض لین دین یا طاقت کے زور پر قائم نہیں رہ سکتا؛ اس میں انصاف اور انسانی وقار کو یقینی بنانا لازمی ہے۔ جب طاقتور طبقہ اس توازن کو بگاڑتا ہے تو نتیجہ صرف فرد کی معاشی تباہی نہیں بلکہ معاشرتی اخلاقیات کی گراوٹ بھی ہوتا ہے۔ قاسمی نے اپنے بیانیے سے یہ واضح کیا کہ جب معیشت میں اخلاقی اصول کمزور پڑ جائیں تو وہ استحصال، جبر اور غیر مساوی تعلقات کو جنم دیتی ہے۔ قاسمی کے ہاں معیشتِ اخلاق کا تصور فرد کے کردار اور اس کے رویے سے جڑا ہوا ہے۔ محنت کش کی سادگی، امانت داری اور قربانی کے جذبے کو وہ ایسی اخلاقی طاقت کے طور پر دکھاتے ہیں جو معاشرتی ڈھانچے میں مثبت تبدیلی لا سکتی ہے۔ گو کہ ان کرداروں کو اکثر ناکامی، نقصان یا جبر کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مگر ان کی اخلاقی استقامت اس بات کی گواہی ہے کہ معیشت کا اصل سرمایہ انسان کی سچائی اور وقار میں پوشیدہ ہے۔ احمد ندیم قاسمی کا فن اس تصور کو مضبوط کرتا ہے کہ دیہی معیشت کی اصل پائیداری تبھی ممکن ہے جب اس کے مرکز میں انسانی وقار اور اخلاقی اصولوں کو رکھا جائے۔ ان کے افسانے یہ سبق دیتے ہیں کہ محنت کو صرف پیداواری قوت کے طور پر نہیں بلکہ ایک اخلاقی قدر کے طور پر تسلیم کیا جانا چاہیے۔ یہی تصور معیشتِ اخلاق کا بنیادی جوہر ہے، اور یہی پہلو قاسمی کے بیانیے کو محض فنی نہیں بلکہ فکری اور سماجی طور پر بھی گہرائی عطا کرتا ہے۔ اس طرح ان کا تخلیقی ورثہ یہ واضح کرتا ہے کہ اردو افسانے میں دیہی محنت کی بیانیہ تشکیل محض سماجی حقیقت نگاری نہیں بلکہ ایک اخلاقی معیشتی منشور کی پیش کش بھی ہے۔

حوالے

(۱) پروفیسر ظفر حبیب، ادب اور اخلاقی قدریں، مشمولہ:ادب اور اخلاقیات، مرتبہ:شرجیل احمد خاں، (دہلی: کتابی دنیا، ۲۰۱۴ء)، ۱۳۔

(2) Edward Palmer Thompson, *The Making of the English Working Class*, (London: Pantheon Books, 1991), p. 129.

(3)James C. Scott, *The Moral Economy of the Peasan*, (Connecticut: Yale University Press, 2012), p. 35.

(۳) مجنوں گورکھپوری، ادب اور زندگی، (علی گڑھ: اردو گھر، ۱۹۸۴ء)، ۴۷۔

(۴) احمد علی جوہر، ہم عصر اردو افسانہ میں حاشیائی کرداروں کی عکاسی، مشمولہ:اردو ریسرچ جرنل، مدیر: عزیز اسرائیل، جلد:۱، شمارہ:۲، (دہلی: نیٹیزنز فار ڈیولپمنٹ، ۲۰۱۴ء)، ۷۵-۸۹۔

(۵) وقار عظیم، نیا افسانہ، (علیگڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۳ء)، ۷۱۔

(۶) ڈاکٹر سہیل احمد، احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں دیہات، مشمولہ: احمد ندیم قاسمی کی افسانہ نگاری، محقق: غلام حسین ورک، (لاہور: اورینٹل کالج، ۱۹۸۸ء)، ۲۸۷۔

(۷) افشاں ملک، ڈاکٹر، افسانہ نگار احمد ندیم قاسمی: آثار و افکار، (نیو دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۷ء)، ۷۔

(۸) احمد ندیم قاسمی، کفارہ، مشمولہ: آبلے، (نئی دہلی: ادارہ فکر جدید، ۱۹۸۷ء)، ۱۱۔

(۹) ایضاً

(۱۰) احمد ندیم قاسمی، اصول کی بات، مشمولہ:گھر سے گھر تک(مجموعہ احمد ندیم قاسمی)، (لاہور: سنگ میل پبلشرز، ۲۰۰۸ء)، ۱۳۹۔

(۱۱) احمد ندیم قاسمی، بے گناہ، مشمولہ:چوپال (مجموعہ احمد ندیم قاسمی)، (لاہور: سنگ میل پبلشرز، ۱۹۸۰ء)، ۲۷۔

(۱۲) ایضاً

(۱۳) احمد ندیم قاسمی، طلائی مہر، مشمولہ:بگولے(مجموعہ احمد ندیم قاسمی)، (لاہور: سنگ میل پبلشرز، ۲۰۰۸ء)، ۳۳۴۔

(۱۴) احمد ندیم قاسمی، جلسہ، مشمولہ:طلوع و غروب(مجموعہ احمد ندیم قاسمی)، (لاہور: سنگ میل پبلشرز، ۲۰۰۸ء)، ۶۷۷۔

(۱۵) احمد ندیم قاسمی، سونے کا ہار، مشمولہ:سیلاب و گرداب(مجموعہ احمد ندیم قاسمی)، (لاہور: سنگ میل پبلشرز، ۲۰۰۸ء)، ۶۱۲۔

(۱۶) احمد ندیم قاسمی، الحمدللہ، مشمولہ:سناٹا(مجموعہ احمد ندیم قاسمی)، (لاہور: سنگ میل پبلشرز، ۲۰۰۸ء)، ۷۰۶۔

(۱۷) احمد ندیم قاسمی، فیشن، مشمولہ:کپاس کا پھول(مجموعہ احمد ندیم قاسمی)، (لاہور: سنگ میل پبلشرز، ۲۰۰۸ء)، ۲۳۲۔

References:

1. Professor Zafar Habib, Adab aur Ikhlaqi Qadrain, (Incl.) *Adab aur Ikhlaqiyat*, (Comp.) Sharjeel Ahmad Khan, (Dilli: Kitabi Duniya, 2014), p13.
2. Edward Palmer Thompson, *The Making of the English Working Class*, (London: Pantheon Books, 1991), p. 129.
3. James C. Scott, *The Moral Economy of the Peasan*, (Connecticut: Yale University Press, 2012), p.35.
4. Majnun Gorakhpuri, *Adab aur Zindagi*, (Aligarh: Urdu Ghar, 1984), p.47.
5. Ahmad Ali Johar, Hum Asr Urdu Afsana Mein Hashiyai Kirdaron ki Aksasi, (Incl.) *Urdu Research Journal*, Editor: Uzair Israel, jild: 1, shumara: 2, (Dilli: Netizens for Development, 2014), pp.75–89.
6. Waqar Azim, *Naya Afsana*, (Aligarh: Educational Book House, 1983), p.71.

7. Dr. Suhail Ahmad, Ahmad Nadeem Qasmi ke Afsanon mein Dehat, (Incl.) *Ahmad Nadeem Qasmi ki Afsana Nigari*, Researcher: Ghulam Hussain Warak, (Lahore: Oriental College, 1988), p.287.
8. Dr. Afshan Malik, *Afsana Nigar Ahmad Nadeem Qasmi: Asar-o-Afkar*, (Nayi Dilli: Educational Publishing House, 2007), p.7.
9. Ahmad Nadeem Qasmi, Kaffara, (Incl.) *Ablay*, (Nayi Dilli: Idara Fikr-e-Jadeed, 1987), p.11.
10. ibid.
11. Ahmad Nadeem Qasmi, Usool ki Baat, (Incl.) *Ghar se Ghar Tak*, *(Majmua Ahmad Nadeem Qasmi)*, (Lahore: Sang-e-Meel Publishers, 2008), p.139.
12. Ahmad Nadeem Qasmi, Be-Gunah, (Incl.) *Chopal (Majmua Ahmad Nadeem Qasmi)*, (Lahore: Sang-e-Meel Publishers, 1980), p.727.
13. ibid.
14. Ahmad Nadeem Qasmi, Talai Mehr, (Incl.) *Bagole (Majmua Ahmad Nadeem Qasmi)*, (Lahore: Sang-e-Meel Publishers, 2008), p.334.
15. Ahmad Nadeem Qasmi, Jalsa, (Incl.) *Tulu ‘o Ghuroob (Majmua Ahmad Nadeem Qasmi)*, (Lahore: Sang-e-Meel Publishers, 2008), p.677.
16. Ahmad Nadeem Qasmi, Sone ka Haar, (Incl.) *Sailab o Gardab (Majmua Ahmad Nadeem Qasmi)*, (Lahore: Sang-e-Meel Publishers, 2008), p. 612.
17. Ahmad Nadeem Qasmi, Alhamdulillah, (Incl.) *Sanata (Majmua Ahmad Nadeem Qasmi)*, (Lahore: Sang-e-Meel Publishers, 2008), p.706.
18. Ahmad Nadeem Qasmi, Fashion, (Incl.) *Kapas ka Phool (Majmua Ahmad Nadeem Qasmi)*, (Lahore: Sang-e-Meel Publishers, 2008), s. 232.

❖❖❖